

رُکھ تھے اور نہ بستی اور نہ کوئی جنور تھا اور نہ کوئی اور، اور نہ پانی تھا اور اُن کے لنگ جو پہلے مرتے تھے اب زندہ ہوتے تھے اور اُن میں زور بھرتا تھا۔ وہ اُس کے اندر سانس لیتا تھا اور پکھلاتا تھا اور اُس کے اوپر سورج الاؤ تھا جو اُس کی آنکھوں میں تھا اور اُس کا پسینہ تھا جو آنکھوں میں گرتا تھا اور وہ پاسا پلٹنا چاہتی تھی پر پلٹ نہیں سکتی تھی کہ بوجھ تلے دبتی تھی اور اٹھتی تھی اور پھر دبتی تھی۔۔۔ پاروشنی بولی کہ بستی نہیں ہے اور پانی نہیں ہے۔۔۔ اور نہیں ہیں۔۔۔ وہ تھے۔۔۔ اور وہ تھی اور اُس کا جُستہ تھر تھرانے لگا۔۔۔ انگلیاں کھبو دس کہ وہ آنے والے تھے۔۔۔ اور وہ ہونکتی تھی اور کاٹتی تھی اور وہ ایسے آئے کہ اُسے بہانے لگے۔۔۔ جیسے گھاگھراہنے لگا ہوا اور وہ اُس میں ہوا اور وہ دونوں اُس میں ایک دوسرے پر بہتے ہوں اور اوپر نیچے بہتے ہوں۔۔۔ پانی تھا اور کھیت ہرے تھے اور اُس کا اندر ہرا ہونے لگا۔۔۔ اور اُس نے اُس پل جانا کہ اب اگر کتنے کا مہینہ ہے تو سون بھادوں میں آنا بنتا تھا اور وہ دم سادھے سننے کی اور وہ روئے گا۔۔۔ اور وہ روئے گا یہ وہ جان گئی تھی اس پل جب وہ گھاگھرا کی خشک ریت پر پڑی تھی اور یہ ریت گیلی ہوتی تھی۔۔۔ اور وہ دیکھتی تھی کہ سرو اُس پر سے اٹھا ہے اور کہتا ہے میں جب بھی دیکھتا تھا تو یہی دیکھتا تھا کہ اونچے کنارے ہیں اور درمیان میں ایک خشک راستہ ہے اور اس کی مٹی میں ٹھیکریاں ہیں اور آس پاس کچھ نہیں ریت ہے۔۔۔ اور وہ رانی ہے اور ہم نہیں۔۔۔ اور میں یہ سب سوتے میں دیکھتا تھا تو اب یہ سب کچھ میرے سامنے ہے تو میں اب سوتا ہوں یا جاگتا ہوں۔۔۔ وہ یہ کہتا تھا اور چلتا جاتا تھا۔۔۔ پاروشنی پاسا پلٹ کر اُسے دیکھتی رہی کہ وہ یہ کہتا جا رہا ہے اور چلتا جا رہا ہے کہ جو میں سوتے میں دیکھتا تھا وہ اب ہے تو میں اب کیا ہوں سوتے میں ہوں یا جاگتے میں اور وہ چلتا جا رہا ہے اور پھر خشک راستے کے درمیان میں کھڑے ہو کر اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پاروشنی کو وہاں سورج الاؤ کے نیچے ایک رُکھ کی طرح لیٹے دیکھا پر رُکھ ایسا جس کی کوکھ ہری ہو۔۔۔ اور پاروشنی نے اُسے وہاں کھڑے دیکھا اور پھر آنکھ جھپک کر دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھا۔۔۔

وہ اٹھی اور اپنے آپ کو سنبھالتی ادھر گئی۔ وہ اب لڑکھڑاتی نہ تھی اور مرے ہوئے پکھیر وؤں کی طرح نہ تھی۔ وہ اب ویسی تھی جیسی وہ ہوا کرتی تھی اور جب وہ وہاں تھی جہاں اُس نے سرو کو کھڑے دیکھا تھا تو وہاں کچھ نہ تھا۔۔۔ وہاں کوئی نہ تھا۔۔۔ وہ اس خشک راستے میں گم ہو چکا تھا۔ وہاں نہ تھا جہاں وہ سوتے میں آتا تھا وہاں اب وہ جاگتے میں چلا گیا تھا۔

پھر وہ بستی کو لوٹتی تھی ۔۔۔

وہ ڈولتی تھی چلتے ہوئے جیسے سرکندے کا سفید سٹہ ڈولتا ہے ہوا کے چلنے سے پر اُس کے پاؤں کھسکتے نہ تھے ۔

ان دنوں بڑے پانی آتے تھے پر وہ دن ایسے اُپلوں کی طرح دھنکتے اور جلاتے نہ تھے ۔ پکلی کے آوے کے اوپر آسمان صاف تھا اور اُس کے پاس پکلی اینٹوں کی چار دیواری کی سرخی دھوپ میں ایسی تھی کہ آنکھوں میں چبھتی تھی ۔

وہ پسینے میں بھیگتی جاتی تھی اور اُس کی آنکھوں کے سامنے ریت سے گرم ہوا بل کھاتی اٹھتی تھی ۔

جب گلی سامنے آئی تو وہ رکی ۔۔۔ وہاں دُھول نہ تھی اُس کے تلووں تلے تپتی ریت تھی ۔ اُس نے گردن پیچھے کر کے اوپر آسمان کو دیکھا جو گرمی سے نچڑ گیا تھا اور پھیکا ہو کر سفید ہو رہا تھا ۔

اُس کے ویہڑے میں دُھوپ ڈھل رہی تھی ۔ وہ تھڑے کے قریب جا کر یکدم بھوک پیاس اور دُھوپ کے نیچے آئی اور گر پڑی ۔۔۔ وہ بہت دیر وہاں پڑی رہی اور چھپر کی کچی دیوار کو دُھوپ دھیرے دھیرے چھوڑتی رہی اور اوپر ہوتی رہی ۔۔۔ وہ زور جو جائے کہاں سے آیا تھا اور اُس کے جُتے میں بہتا رہا تھا اب جا چکا تھا اور اُس کا ماس پیاس سے سوکھتا تھا اور اُس کا منہ کھلتا تھا اور ایک بار پھر مکھیاں اُس کے کھلے مُنہ کے گرد بھنبھناقی تھیں ۔۔۔ اُس نے بڑی مشکل سے وہ بازو اپنے بوجھ سے نکالا جس پر وہ گرمی تھی ۔ اس بازو پر کنگن تھے جو اُسے چُھتے تھے ۔۔۔ اُس نے دُھوپ کو ویہڑے کی دیوار سے اٹھتے دیکھا ۔۔۔ اُس کے اندر بھی دُھوپ کم ہوئی اور چھاؤں آئی اور اُسی چھاؤں میں ایک چولہا تھا جس میں اُپلے تھے اور وہ دھیرے دھیرے دُختے تھے اور اُن کا دھواں ویہڑے سے اوپر اٹھتا تھا جیسے دُھوپ کا پیچھا کرتا ہو ۔۔۔ پاروشنی کے تنھے ایک وحشی جنور کی طرح پھڑکے اور وہ اُپلوں کے دھوئیں کے لئے پھڑکے تھے جو بے انت دنوں سے اُن کے اندر نہیں گیا تھا اور وہ بھی دھوئیں کی باس کے لئے ترسی اور اُس نے اپنی زردی میں تیری آنکھیں اُس چولہے پر جائیں جو وہ ہر شام جب دُھوپ دیوار چھوڑتی تھی جلایا کرتی تھی اور پھر وہ اپنا پورا زور دوسرے بازو میں لاکر کہنی ٹھاکر اٹھی اور بیٹھ گئی اور ہولے ہولے ویہڑا پار کر کے چولہے کے پاس ہو گئی ۔۔۔ یہ چولہا پکلی نے پکا کر دیا تھا ۔۔۔

اُپلوں کے میچ رکھے لکھنے کانے اور سوکھی گھاس پتھروں کی رگر سے پھوٹنے والی پہلی چنگاری

سے ہی سلکنے لگے اور پھر اُپلوں کا مہندی رنگ سیاہی میں بدلنے لگا۔۔۔ پاروشنی چولہے پر جھکی اور سانس اندر کھینچ کر اُپلوں پر پھونک ماری اور اُن کے اندر آگ کی بڑبڑاہٹ سنائی دی اور پھر بُجھ گئی۔ دوسری پھونک کے بعد وہ دھواں دینے لگے اور پاروشنی پیچھے ہو گئی۔۔۔ اُس کی آنکھوں میں دھواں جانے سے پانی بہتا تھا۔۔۔ اُس نے پانی کو پونچھا نہیں رہنے دیا۔۔۔ اور دُھواں اُس کے تھنوں میں گیا اور پھر ایک گہرے سانس کے ساتھ پورے جُتے میں پھیلا اور اُسے مَسْتُ کیا۔۔۔

سفید دھواں ویہڑے میں سے اٹھ کر گلی میں پھیلتا تھا۔

پاروشنی اپنے بازو سمیٹے اور اُن پر ٹھوڑی رکھے اُس چولہے کو تکتی تھی جس میں اُپلے سُکلتے تھے۔۔۔ اگلے اتوں میں اُسے آنا تھا اور ابھی سے محسوس ہوتا تھا۔۔۔

پھر دھوپ بستی سے بھی پرے ہوئی تو ویہڑے میں شام آنے لگی اور اُپلے زیادہ روشن لگنے لگے اور پاروشنی انہیں بازو گھٹنوں پر رکھے دیکھتی رہی۔۔۔

چھتر کے نیچے گھڑوں کی پال تھی اور اُس میں وہ گھڑا تھا جس میں آدھی مُٹھی کنک تھی۔۔۔ اور کنک کا سواد تھا۔۔۔ پاروشنی اٹھی اور اُس گھڑے کو اُتار کر ویہڑے میں لے آئی۔ اُس کے گول مُنہ میں ہاتھ ڈال کر اُس نے کنک کے دانوں کو ٹٹولا تو اُن کے چھونے سے اُسے ایک جھرجھری سی آئی جیسے اُن میں زور ہو چو پاروشنی میں اُس کی اُٹھکیوں کے پوروں کے راستے اُترتا ہو۔۔۔ وہ میچ تھے جن کے آس پاس پوری حیاتی ہوتی تھی۔ وہ مُٹی تھے جس کے بغیر جڑیں دھوپ میں سوکتی ہیں گہری نہیں ہوتیں۔۔۔ اُس نے اُن میں سے آدھے دانے مُٹھی میں سمیٹے۔۔۔ اور آدھے گھڑے میں رہنے دیئے۔۔۔

اُپلوں پر راکھ کی تہہ جم رہی تھی اور اُن میں سے کو بُجھ کر آتی تھی۔۔۔ شام گہری ہو رہی تھی۔۔۔ وہ چھتر کے سامنے بنی ادکھلی پر جھکی جس میں ریت بھر گئی تھی۔ اُس نے اُس میں سے ریت نکالی اور پھر جھک کر پھونک ماری اور مُٹھی میں بند کنک کے چند دانے اُس میں ڈال دیئے۔

موٹھی کنویں والے کمرے میں دھری تھی۔ وہ اسے لینے اندر گئی تو اُسے ایسا لگا جیسے ادھر اُس تاریک کمرے میں کنویں کے اندر کوئی ہے جو سانس لیتا ہے اور اُس کے سانس کی گونج کنویں کی گولائی میں گھومتی گم ہوتی ہے۔۔۔ اُس نے موٹھی اٹھائی تو وہ اُس کی اُٹھکیوں کو

بہت پرانی لگی کہ یہ کب تھا جب اُس نے آخری بار کنک کوٹی تھی اور پیسی تھی اور پھر روٹی پکائی تھی --- یہ بہت دن پہلے ہوا تھا جب وہ سب تھے ---
چوہے میں اُپلے دم ہو رہے تھے ---

پاروشنی نے موٹھلی کو دونوں ہاتھوں سے درمیان میں سے پکڑا اور اوپر اٹھایا --- وہ بہت بھاری تھی اور پاروشنی کا زور چاچکا تھا اور اُس کی ٹانگیں اُس کے بوجھ سے لرزنے لگیں اور اُس کی پیاس اُسے بے حال کرتی تھی ---

اوکھلی میں کنک کے چند دانے تھے اور اوپر پاروشنی کے ہاتھوں میں موٹھلی تھی جس کے سرے پر ایک پتھر کا ٹکڑا تھا کنک کوٹنے کے لئے --- اُس نے موٹھلی کو اپنا بچا ہوا زور دیا اور اُسے اوکھلی میں دے مارا، کنک کے دانے اُس کے نیچے آکر پیسے گئے پر چند دانے موٹھلی کے کنارے سے لگے اور وہ اڑ کر اُس کی پنڈلیوں میں تیز کاٹھوں کی طرح جا لگے ---

وہ موٹھلی کو ایک خاص ٹھہراؤ کے بعد اٹھاتی اور فضا میں بلند کرتے کرتے گہرا سانس جُتے میں بھرتی اور پھر منہ کھول کر سانس باہر نکالتے ہوئے ایک لمبی ” --- ہوؤ“ کے ساتھ اُسے کنک پر دے مارتی ---

موٹھلی کا سیرا کنک پر گرتا تو ” --- دھم“ کی آواز آتی اور پاروشنی سانس نکالتے ہوئے جو ایک لمبی ” --- ہوؤ“ کرتی تو موٹھلی کی دھم اور پاروشنی کی ہوؤ مل کر ایک سُرناتے --- اور یہ آواز بتاتی کہ یہ پاروشنی ہے جو شام کی روٹی کے لئے کنک کو ہتھی ہے --- پر یہ آواز اب کسے بتاتی --- وہاں سننے کو کوئی نہ تھا -

ہوؤ --- دھم --- ہوؤ --- دھم ---

اور اس میں ایک اور آواز بھی شامل ہوتی تھی --- اُس کے کنگن بازو اوپر کرنے سے کھینکتے ہوئے نیچے آتے تھے اور شور کرتے تھے اور تب اُسے یاد آیا کہ وہ اس شور کو کم کرنے کے لئے کنگن اُتار کر کنک کو ٹا کرتی تھی --- اُس نے دونوں بازوؤں میں سے آدھے آدھے کنگن اُتار دیئے --- اب اُبی کا شور کم تھا لیکن تھا --- اور یہ شور اُس کے ماتھے پر لگتا تھا - اُس نے موٹھلی رکھ کر سارے کنگن اُتار دیئے --- اور اب وہاں کوئی شور نہ تھا --- صرف ہوؤ --- دھم --- جو کچھ پہن لو --- جتنا کچھ --- اُتنا شور --- اُتنا بھار ---

پاروشنی کا جُتہ پسینے میں بھیگتا تھا اور شام میں بھی دکھائی دیتا تھا ---
اُس کے مُوکھے ہوئے جُتے میں سے ہڈیاں جیسے ماس سے باہر آتی تھیں اور اُس کی آنکھیں

بڑی ہوتی تھیں اور اندھیرے میں دکھائی دیتی تھیں ۔

دھم --- ہوؤ --- دھم ---

پاروشنی کے بیروں میں ریت اُس کے پسینے سے گیلی ہوتی تھی ۔۔

گھاگھرا کے اونچے کناروں کے اندر اب خشک راستہ آخر تک چلے گا جس میں صرف
 بھیکریاں ہوں گی اور خشک گھونگھے ہوں گے اور پکلی کے آوے سے کبھی دھواں نہیں اٹھے گا اور
 چیترا کی چاندنی میں گھاگھرا کے پانی کبھی نہیں لٹکیں گے ۔۔۔ وہ یہ سب جانتی تھی اور پھر بھی وہ
 کنک کوٹتی تھی کہ اُس کے پاس آدھی مٹھی کنک تھی اور اُس کے کھیت ہرے ہونے
 تھے ۔۔۔

دھم --- ہوؤ --- دھم --- ہوؤ

کنک کوٹنے کی دھم دھم کی آواز اٹھتی تھی اور پاروشنی کے ویہڑے سے اوپر ہوتی تھی اور پھر
 پھیلتی تھی اجاڑ چھپروں پر اور ریت سے اٹی گلیوں میں اور ڈوبو مٹی پر جو کبھی تھی اور وہاں جہاں
 کبھی رکھ تھے اور اب ریت تھی اور ایک سوکھی ٹہنی تھی اور مور کا پنجر تھا جس کے جھاڑو کے رنگ
 اڑ چکے تھے اور وہاں جہاں کبھی دریا تھا اور اب اونچے خالی کنارے تھے اور ان میں پانی کی بجائے
 دھم دھم کی آواز ٹھہرتی تھی اور تیرتی تھی ۔۔۔